سیرِ وسوانح

شیخ علی بن عثمان الہجویریؒ

اوران کی کتاب کشف المحجوب پر ایک نظر

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

علامہ اقبالؒ نے اپنی مثنوی 'اسرار خودی' میں ایک عنوان اس طرح لکھا ہے:

''حکایت نوجوانی از مرو کہ پیش حضرت سید مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آمدہ از ستم اعوائفریاد کرد''

اس عنوان کے تحت انہیں نے جو کہانی نظم کی ہے، اس کی تمہید میں یہ ابیات بھی لکھے ہیں:

سیّد ہجویر مخدوم امم مرقدِاو پیر سنجر[۱] را حرم
بندھاری کوھسار آسان گسخت در زمین ھند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش[۲] تازہ شد حق ز حرف اور بلند آوازہ شد
پاسبان عترت امّ الکتاب از نگاھش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دم اوزندہ گشت صبح ما از مہر اوتابندہ گشت[۳]

مثنوی کے ان ابیات میں 'مخدوم امم' کہنا اور شیخ ہجویری کے قیام لاہور کے زمانے کوعہد فاروق اعظمؓ کا مماثل قرار دینا، خلافِ واقعہ سہی، تاہم ان پانچ بیتوں میں، پانچویں صدی ہجری کے معروف بزرگ شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ کے بلند روحانی مرتبے، دشوار گزار راہوں سے گزر کر ہندوستان آنے، یہاں آ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنے، قرآن پاک کی تعلیم عام کرنے، بت پرستوں کوراہ ایمان دکھانے، اور خطۂ پنجاب کوایک رونقِ تازہ بخشنے کی طرف بلیغ اشارات موجود ہیں۔

نام ونسب اور وطن:

حضرت ہجویریؒ کا اصل نام علی اور کنیت ابوالحسن تھی ،لیکن کسی خدا ناشناس نے (یہ سوچے بغیر کہ 'داتا' ہونا صرف خدا کی صفت ہے اور کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر تک اس سے متصف نہیں ہوا) شیخ ہجویری کو 'داتا گنج بخش' کے لقب سے مشہور کردیا اور یہ لقب ایسا چلا کہ اب اکثر لوگ آپ کو اسی لقب سے پکارتے ہیں۔[۴]

شیخ ہجویریؒ افغانستان کے مشہور شہر غزنین میں پیدا ہوئے اور مختلف اوقات میں غزنین کے دو مقامات ہجویر اور جلاب میں قیام پذیر رہے،اس لیے غزنوی، ہجویری اور جلابی تینوں وطنی نسبتیں آپ کے نام کے ساتھ وابستہ ہیں۔آخری عمر میں مستقلاً لاہور میں سکونت گزیں ہو جانے کی وجہ سے لاہوری بھی کہلاتے ہیں۔

شیخ علی ہجویریؒ ایک علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ نانہیال میں روحانیت کا غلبہ تھا اوران کے ماموں تاج الاولیاء کے لقب سے ملقب تھے،جس محلے میں ان کا مزار تھا وہ بھی انہی کے نام (لقب) سے معروف تھا۔اسی محلّہ تاج الاولیا میں شیخ کے والدین کی قبریں بھی تھیں اور گیارھویں صدی ہجری تک ان کی پہچان باقی تھی۔[۵] شیخ کا تعلق حسنی خاندان سادات سے تھا،شجرۂ نسب اس طرح ہے:علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شجاع بن علی بن حسین بن زید شہید بن حسن بن علیؓ۔تاریخِ ولادت کہیں ثبت نہیں ہے۔متعدد اہل علم وقلم مختلف قیاسات وقرائن کی بنیاد پر ۴۰۰ھ کے آس پاس قرار دیتے ہیں۔

تحصیلِ علم

شیخ ہجویریؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت کا حال کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا، نہ خود حضرت شیخ نے اپنی کسی تحریر میں درج کیا۔ البتہ کشف المحجوب میں غیر مبہم طور پر شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی کو اپنا استاد بتایا ہے،جن کے بارے میں لکھا ہے:

"....اندرفنون علم اصول وفروع امام بود.......مرا با اوانسی عظیم بود و یرا

برمن شفقتی صادق، واندر بعضی علوم استادمن بود، ہرگز تامن بودم از ہیچ صنف کسی ندیدم کہ شرع رابہ نزدیک او تعظیم بیشتر از آن بود کہ بہ نزدیک وی بود...وبجز امام محقق را از وی فائدہ نبودی اندر دقّت عبارتش درعلم اصول''٦ے

(علم کے فنون اوراصول وفروع میں امام تھے... مجھےان سے بہت محبت تھی اوران کی مجھ پر سچی شفقت تھی۔ کچھ علوم میں وہ میرے استاد تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کوان سے زیادہ کسی معاملے میں شریف کی عزت کرتے ہوئے نہیں پایا...علم اصول میں ان کی عبارتوں کے دقیق ہونے کی وجہ سے سوائے محقّق ائمہ کے، لوگ استفادہ،نہیں کر پاتے تھے)

اس عبارت سےکئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ا۔شیخ اشقانی بہت بلندمرتبہ عالم تھے۔

۲۔کچھ علوم میں شیخ اشقانی،شیخ ہجویریؒ کےاستاد تھے۔

۳۔جب تک شیخ ہجویریؒ ان کی خدمت میں رہے،انہوں نے شیخ اشقانی سے زیادہ شریعت کی تعظیم کرنے والاکسی کونہیں پایا۔

۴۔ہجویریؒ نے کم ازکم جوانی کی عمر میں شیخ اشقانی کی شاگردی اختیارکی ہوگی اور ابتدائی تعلیم اپنے دوسرے غیر مذکوراساتذہ سے حاصل کی ہوگی، کیونکہ کوئی بچہ شیخ اشقانی کی دقیق عبارت سےاستفادہ نہیں کرسکتا تھا۔

ایک جگہ یہ لکھا ہواملتاہے:

''ازاستادم امام ابوالقاسم قشیری شنیدم.....''ے

یہاں شیخ قشیری کی شاگردی کا اعتراف کیا گیاہے۔حالاں کہ دوسری جگہ جہاں امام قشیری کامفصل ذکر ہے(ص ۱۵۰) وہاں اس طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔

شیخ اشقانی اور شیخ قشیری کے علاوہ شیخ ابوعبد اللہ محمد بن علی الداستانی، شیخ

ابوالقاسم علی بن عبداللہ الگرگانی۸، شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی وغیرہ کا ذکر بھی اس انداز سے ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ہجویریؒ نے ان حضرات سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔۹

روحانیات کی تعلیم

جیسا کہ کشف المحجوب میں جگہ جگہ اشارات ملتے ہیں، شیخ علی ہجویریؒ نے بہت سے اہل حال وقال سے استفادہ کیا تھا۔لیکن خاص طور پر جس بزرگ سے اکتسابِ فیض کیا وہ ان کے پیر شیخ ابوالفضل الختلی ہیں، جن کا ذکر انھوں نے اس انداز سے کیا ہے:

''زین اوتاد وشیخ عباد شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی ،اقتداء من اندر طریقت بدوست۔عالم بود بہ علم تفسیر درِوایات، واندر تصوف مذہب جنید داشت ومرید ابوالحسن حصری بود وصاحب سرّ وی۔واز اقران ابوحمزہ قزوینی وابوالحسن سالبہ۔شصت سال بحکم عزلتی صادق بہ گوشہ ہا اندرمی گریخت ونام خودرا از میان خلق گم کردہ بود، وبیشتر بہ جبل لکان بودی، عمری نیکو یافت وروایات وبراہین بسیار داشت، اما لباس ورسوم متصوفہ نداشتی وبااہل رسم شدید بودی، وہرگز مہیب تر از وی ندیدم...... وآن روز کہ وی را وفات آمد بہ بیت الجن بود، وآن دہی است برسر عقبہ، میان بانیاس ودمشق، سر بر کنار من داشت...... وجان سپرد...''۱۰

(اوتاد کی زینت، عابدوں کے شیخ، شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی، طریقت میں مجھے ان کی پیروی حاصل ہے۔وہ علم تفسیر اور روایات کے عالم تھے۔تصوف میں وہ شیخ جنید کا مسلک رکھتے تھے۔ساٹھ سال تک سچی گوشہ نشینی کے تقاضے سے وہ گوشوں میں چھپتے رہے اور اپنے کو لوگوں میں گم نام رکھا۔وہ زیادہ تر کوہ لکان پر رہتے تھے۔انھوں نے طویل عمر

پائی، وہ بہت سی روایتیں اور دلائل رکھتے تھے، لیکن وہ صوفیانہ لباس اور رسوم کے پابند نہیں تھے۔ وہ رسوم کی شدت سے مخالفت کرتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ بارعب کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ جس دن ان کی وفات ہوئی وہ بیت الجن میں تھے۔ (وہ ایک گاؤں ہے جو بانیاس اور دمشق کے درمیان ایک گھاٹی پر واقع ہے) ان کا سر میری گود میں تھا۔ اس حال میں ان کی روح پرواز ہوگئی)

اس اقتباس سے شیخ ابوالفضل الختلی کی علمیت، بزرگی اور عظمت و کمال کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرید کو پیر سے بہت زیادہ محبت تھی اور پیر کے مرید سے تعلق کا حال یہ تھا کہ مرتے وقت بھی پیر کا سر مرید کی گود میں تھا، نیز یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ شیخ ہجویریؒ کا تعلق شیخ جنید بغدادی کے مکتبِ تصوف سے تھا۔

شجرۂ نسب کی طرح ہجویریؒ کا شجرۂ طریقت بھی شیخ ابوالفضل ختلی، شیخ ابوالحسن حصری، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ جنید بغدادی، شیخ ابوالحسن سری سقطی، شیخ داؤد طائی اور شیخ حبیب عجمی کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

ازدواجی زندگی

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ شیخ نے دو شادیاں کی تھیں، بعض میں ایک شادی کا ذکر ہے۔ مگر کشف المحجوب سے ان دونوں باتوں کی تصویب نہیں ہوتی۔ ہجویریؒ نے باب فی آدابہم فی التزویج والتجرید میں ایک جگہ اپنا ذکر یوں کیا ہے:

''ومرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام، از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ پانزدہ سال از آفت تزویج نگاہداشتہ بود، تقدیر کرد تا بہ فتنہ اندر افتادم، وظاہر وباطنم اسیر پری صفتی شد، بی آنکہ رویت بودہ بود، ویک سال مستغرق آن بودم چندانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شدی، تا خدای تعالیٰ بہ کمال فضل وتمام لطف خود، عصمت خود را بہ استقبال

دل بیچارۂ من فرستاد و بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت، والحمد لله علی جزیل نعمائه''[۱۱]

(مجھ کو، یعنی علی بن عثمان الجلابی کو، اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کرنے کی آفت سے محفوظ رکھا تھا، اس نے میرے لیے مقدر کیا کہ فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں۔ میرا ظاہر اور باطن ایک پَری صفت کا اسیر ہو گیا، بغیر اس کے کہ اس کا دیدار ہوا ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل فضل اور مکمل لطف کے ذریعے اپنی حفاظت کو میرے مجبور دل کے استقبال کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے چھٹکارا دے دیا۔ اللہ کا شکر ہے اس کے بے پایاں احسانات پر)

اس پوری عبارت سے کہیں پتا نہیں چلتا کہ شیخ ہجویریؒ نے کوئی شادی کی تھی، بلکہ کسی نادیدہ حسینہ سے غائبانہ اور بے پناہ عشق کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ بھی صرف ایک سال کے لیے، پھر خدا تعالیٰ نے اس ایمان کو برباد کر ڈالنے والی آفت سے نجات عطا فرما دی۔ ظاہراً تذکرہ نویسوں سے اس عبارت کا مفہوم اخذ کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے۔

سیر و سیاحت

شیخ ہجویریؒ کی سوانح حیات میں سیر و سیاحت کا بھی ایک نمایاں باب ہے۔ کشف المحجوب کے مطالعے سے منکشف ہوتا ہے کہ شیخ نے زیادہ سے زیادہ روحانی کمالات جمع کرنے کے لیے اکثر اسلامی ملکوں کی سیاحت کی تھی، جن میں قہستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، ترکستان، طبرستان، خوزستان، آذربایجان، فارس، بغداد، عراق، شام وغیرہ شامل ہیں۔ شیخ ان تمام مقامات پر موجود الوقت ماہرینِ روحانیات کی زیارت و ہم نشینی سے فیض یاب ہوئے اور بے شمار طریقت شناسوں سے ملاقات کی۔ انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ''سہ صد کس دیدم در خراسان تنہا، کہ ہر یک مشربی داشت کہ یکی

از آن اندر ہمہٗ عالم بس بوذ‘‘ ۱۲؎

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب صرف خراسان میں شیخ ہجویری کی تین سو کاملین سے ملاقات ہوئی تو تمام ممالک مذکورہ میں مجموعی طور پر کتنے اربابِ دل اور اصحابِ مشرب سے انہوں نے کسبِ فیض کیا ہوگا اور پھر خود بھی روحانیت کے کس مرتبے تک پہنچے ہوں گے۔

مسلک

اصاغر کا تو ذکر ہی کیا، اکابر صوفیہ کے اقوال وافعال میں رفض وتشیع کے اثرات کا نفوذ پایا جاتا ہے۔ شیخ علی ہجویری کا دامن بظاہر اس خباثت سے پاک ہے۔ ہجویری نے ’باب ائمتہم من الصحابۃ‘ میں جس انداز سے حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا ذکر کیا ہے، یا ’باب آدابہم فی التزویج والتجرید‘ میں جس طرح علی کرم اللہ وجہہ کی صاحب زادی ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کے حبالہٗ نکاح میں آنے کا ذکر کیا ہے، یا جس محبت کے ساتھ شیخ نے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کا تذکرہ لکھا ہے اور فقہی مسائل کی جس طرح توضیح کی ہے، ان سب باتوں سے یہ یقین کرنا بعید از عقل نہیں کہا جائے گا کہ حضرت ہجویری اہل السنۃ والجماعت میں سے تھے اور مسلکاً حنفی تھے۔ ۱۳؎

اتباعِ شریعت

جیسا کہ ذکر کیا گیا، شیخ ہجویری نے عمر بھر شادی نہیں کی اور تجرّد کی زندگی گزاری، لیکن کچھ چیزوں میں وہ بہت سختی کے ساتھ پابندِ شریعت تھے۔ مثلاً انہوں نے لکھا ہے کہ:

’’چہل سال سفر کردم، وہیچ نمازم از جماعت خالی نبود، وہر آدینہ بہ قصبہ ای بودم‘‘ ۱۴؎

(میں نے چالیس سال سفر کیا، لیکن میری کوئی نماز جماعت سے خالی نہ رہی اور ہر جمعہ کو میں کسی قصبہ میں موجود ہوتا تھا)

یعنی شیخ ہجویری نے چالیس سال سفر و سیاحت میں گزارے، مگر کوئی نماز بھی بغیر جماعت کے ادا نہیں کی، اور ان کا کوئی بھی جمعہ ناغہ نہیں ہوا، ہر جمعے کو وہ کسی نہ کسی قصبے میں ہوتے تھے اور جمعے کی جماعت میں شرکت فرماتے تھے۔

مہاجرتِ ہندوستان اور قیامِ لاہور

تذکرہ نویسوں اور کشف المحجوب کے ایرانی مصحح و محشی نے بھی یہی لکھا ہے کہ شیخ علی بن عثمان ہجویری ۴۳۱ھ سے ۴۶۵ھ تک ۳۴ سال لاہور میں رہے۔ ۴۳۱ھ میں انہوں نے شیخ حسین زنجانی کے جنازے میں شرکت کی اور ان کی تدفین میں بھی شامل رہے۔

بہ ظاہر یہ دونوں باتیں درست معلوم نہیں ہوتیں، اس لیے کہ شیخ ہجویری نے خود کشف المحجوب میں (ص ۲٦٦) لکھا ہے کہ ان کے چالیس سال سفر میں گزرے تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ انہوں نے کم از کم بیس سال کی عمر میں سیاحت شروع کی تھی تو ورودِ لاہور کا سال یا لاہور میں قیام کے آغاز کا وقت ۴۶۰ھ کے آس پاس تسلیم کیا جانا چاہیے۔ اس بنا پر شیخ حسین زنجانی کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کی کہانی خود بخود جعلی ثابت ہوجاتی ہے۔ اس کہانی کے فرضی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شیخ الوالفضل کے بیان کے مطابق حسین زنجانی پانچویں صدی کے نہیں، بلکہ چھٹی صدی ہجری کے رجال میں سے ہیں، جن کا انتقال ٦۰۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا[۱۵]۔ جب کہ شیخ ہجویری پانچویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، اور یہیں سے یہ کہانی بھی فرضی ثابت ہوتی ہے کہ حسین زنجانی شیخ ہجویری کے پیر بھائی اور شیخ ابوالفضل ختلی کے مرید و خلیفہ تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہجویری کی کتاب (کشف المحجوب) میں جہاں کم و بیش ڈیڑھ سو متقدمین و متاخرین اور معاصرین کا مفصل یا مجمل ذکر موجود ہے، شیخ حسین زنجانی کے وجود کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اگر وہ ان کے پیر بھائی اور معاصر ہوتے تو ان کا راست یا بالواسطہ تذکرہ لازماً اس کتاب میں ہوتا۔

بہر حال شیخ ہجویری جب بھی لاہور میں قیام پذیر ہوئے ہوں، وہ ان کی زندگی کا آخری حصہ تھا جس کو انہوں نے طوعاً و کرہاً لاہور میں بسر کیا۔ لاہور میں شیخ نے مسجد اور مدرسہ قائم کیا اور عالمانہ وصوفیانہ دونوں طریقوں سے خلقِ خدا کو راہِ اسلام پر لانے کی کوشش کی۔ ان کی کوشش بارآور ہوئی اور ہزاروں بت پرست ایمان کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، جن میں ایک خاص نام رائے راجو کا بتایا جاتا ہے۔ یہ سلطنت غزنین کی طرف سے لاہور کا نائب السلطنت تھا جو سب سے پہلے شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور پھر شیخ الہند یا شیخ ہندی کے لقب سے معروف ہوا۔ شیخ نے کچھ عرصے کے بعد کسی بات سے بددل ہو کر اپنا مدرسہ بند کر دیا اور بقیہ زندگی عبادت اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہ کر گزار دی۔

وفات

شیخ کے آخری ایام اور قریب الوفات حالات کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ عام طور پر صرف یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ آپ کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ مگر یہ تاریخ بھی مشکوک قرار پاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کشف المحجوب میں شیخ ابوالقاسم قشیری (م ۴۶۵ھ) ہی نہیں، بلکہ شیخ ابوالحسن سالبہ (م ۴۷۳ھ) کا ذکر بھی مرحومین کے انداز میں کیا گیا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے قیاس کو تقویت پہنچتی ہے جو کہتے ہیں کہ شیخ ہجویری نے ۴۸۱ سے ۵۰۰ھ کے درمیان کسی سال وفات پائی ہوگی۔[۱۶]

شیخ ہجویری کا مزار آج بھی لاہور میں موجود ہے اور اسلام آباد میں ''کتابخانہ گنج بخش'' کے نام سے ایک لائبریری بھی قائم ہے، جہاں خاص طور پر فارسی ادب کے محققین برائے استفادہ جاتے ہیں۔

آثارِ علمیہ

شیخ علی ہجویری اپنے زمانے کے علوم متداولہ (تفسیر حدیث، فقہ وغیرہ) کے عالم تھے۔ اس وقت تک صوفیوں کا جو لٹریچر قلم و قرطاس کی قید میں آچکا تھا، اس پر ان کی گہری نظر

اور طبعی مناسبت بھی۔ شعر گوئی کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے اور انشاء اور سادہ سلیس نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ ایک زمانے میں انہوں نے اپنا ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا جس کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

"دیوان شعرم کسی بخواست و باز گرفت، واصل نسخہ جز آن نبود، آن جملہ را بگردانید و نام من از سر آن بیفکند وانجم ضایع کرد۔" ۱۷

(کسی نے میرے اشعار کا دیوان مانگا اور لے گیا۔ میرے پاس اصل نسخہ اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے میرا نام اس میں سے نکال دیا اور میری محنت برباد کردی)

بہ ظاہر اس سے بد دل ہو کر شیخ نے پھر شعر گوئی ترک کردی۔ اب ان کے نام سے منسوب صرف ایک غزل تذکروں میں ملتی ہے:

اشتیاقت روز و شب دارم دلا　　عشق تو دارم نہاں و برملا
جان بخواہم داد اندر کوی تو　　گر مرا آزار آید یا بلا
سوز تو دارم میان جان و دل　　میدہم از عشق تو ہردم صلا
دلبرا، از تو ہمی خواہم تھا　　کن تو آری دمکن ہرگز تولا

ای علی تو فرخی در شہر کو
دہ زعشق خویشتن ہر سو صلا ۱۸

نثر میں شیخ نے بہت سی کتب و رسائل تصنیف فرمائے تھے، جن میں سے اب کشف المحجوب کے سوا کسی کتاب کا کوئی نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہے۔ البتہ چند کتابوں کے نام کشف المحجوب کے مختلف مقامات پر مذکور ہیں۔ اور وہ ہیں: منہاج الدین، اہل الصفۃ، فنا و بقا، کشف الاسرار، شرح کلام منصور حلاّج، اسرار الخرق والمؤنات، الرعایۃ بحقوق اللہ، البیان لاہل الایقان، بحر القلوب وغیرہ۔

کشف المحجوب

اس وقت شیخ کی واحد تصنیف جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہی وہ 'کشف المحجوب' ہے۔ کشف المحجوب کا جو نسخہ اس وقت پیشِ نظر ہے وہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (اسلام آباد) سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کی جلد اور سرورق پر دونوں جگہ کتاب کے نام کے نیچے یہ بھی چھپا ہے ''صحیح ترین نسخہ کہ بطبع رسیدہ است'' اس نسخے کی تصحیح و تحشیہ کی خدمت ایرانی محقق علی قویم نے انجام دی ہے۔ مصحح نے 'وصف کتاب و ترجمۂ مصنف آن' کے عنوان سے مختصر سا دیباچہ یا پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ اس میں ص ۷ پر فصل الخطاب لوصل الاحباب (خواجہ محمد پارسا)، رسالہ ابدالیہ (شیخ یعقوب چرخی) اور کشف الظنون فی اسامی الکتب والفنون (حاجی خلیفہ چلپی) کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ اس کتاب کا پورا نام 'کشف المحجوب لارباب القلوب' ہے۔ لیکن خود ان کے تصحیح فرمودہ 'صحیح ترین نسخے' کے متن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اصل متن کے پہلے صفحے پر تسمیہ اور حمد وصلوۃ کے بعد شیخ ہجویری کا اپنا بیان اس طرح ہے:

> ''طریق استخارہ سپردم، واغراض کہ بہ نفس بازمی گشت از دل ستردم، وبہ حکم استدعاء ابوسعید ہجویری اسعدہ اللہ قیام، ومراین کتاب را کشف المحجوب نام کردم....''[۱۹]
>
> (میں استخارہ کے طریقہ پر چلا اور جن اغراض کا تعلق نفس سے تھا ان کو میں نے دل سے کھرچ دیا اور ابوسعید ہجویری کے حکم پر عمل کیا اور اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا)

خود مصنف کے الفاظ میں ''لارباب القلوب'' کا لاحقہ کہیں موجود نہیں ہے۔ آگے تین چار صفحات میں شیخ نے خود اپنی منقولہ بالا عبارت کی تشریح کی ہے، مگر وہاں بھی 'لارباب القلوب' کا اضافہ نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ماننا چاہیے کہ اس کتاب کا پورا نام 'کشف المحجوب' ہی ہے۔ اسی عبارت میں شیخ نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کتاب انہوں نے ابوسعید

ہجویری کی خواہش وفرمایش پر تصنیف فرمائی ہے۔

کشف المحجوب سے پہلے تصوف وطریقت کے بیان میں جو اہم ترین کتابیں لکھی گئیں وہ یہ تھیں:

کتاب الرعایۃ (ابو عبد اللہ الحارث المحاسبی (م۲۴۳ھ)۔کتاب الصدق (ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخراز (م۲۸۶ھ) کتاب اللمع (ابو النصر عبد اللہ بن علی السراج (م۳۷۸ھ) قوت القلوب (ابوطالب محمد بن علی المکی (م۳۸۶ھ) الرسالۃ القشیریۃ (ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (م۴۶۵ھ)۔

یہ سب کتابیں عربی زبان میں تھیں۔ شیخ ہجویریؒ نے سب سے پہلے فارسی زبان میں اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا۔اس کتاب کی فارسی نثر کے بارے میں علی قویم نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

> ''یہ کتاب اس عہد میں تصنیف ہوئی جب فارسی نثر میں رواں، دل فریب اور فصیح اسلوب رائج تھا۔یہ نفیس کتاب علمی طرز انشاء، خوش نما ادبی اسلوب کے ساتھ ملال آور طوالت اور خلل انداز اختصار سے پاک ہونے کی بنا پر ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اس میں قدیم افعال وصفات اور عہد سامانی کے استعمالات پائے جاتے ہیں اور سبک نگارش کے اعتبار سے اس کا درجہ اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید (محمد بن منور)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطار) اور مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایہ (محمود بن علی کاشانی) سے بلند ہے۔ اور یہ ان نادر علمی کتابوں میں سے ایک ہے جو مغلوں کی آتشِ جہاں سوز سے باقی بچ گئی ہیں''[۲۰]

مشتملات

نثر وانشاء کی حیثیت سے تو کشف المحجوب بلند پایہ کتاب ہے ہی، اپنے مضامین کے اعتبار سے بھی اس کا شمار بے نظیر کتابوں میں ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ اپنے موضوع پر ایک

جامع کتاب ہے۔ بعد کے اکثر اکابر مصنفین تصوف مثلاً خواجہ فرید الدین عطار نیشاپوری، ملا نور الدین عبدالرحمان جامی، خواجہ پارسا اور خواجہ گیسودراز وغیرہ نے اپنی تالیفات میں اس سے استفادہ کیا ہے۔

راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ شیخ ہجویری نے اپنی ضائع شدہ مختلف کتابوں اور رسالوں میں جو کچھ لکھا تھا وہ سب نہیں تو اس کا بڑا حصہ کشف المحجوب میں جمع ہوگیا ہے اور یہ ایک وسیع معلومات کی حامل جامع کتاب بن گئی ہے۔ اس کے مضامین و موضوعات کا اجمالی خاکہ یوں ہے:

باب اثبات العلم (ص ۱۲) باب الفقر (ص ۱۹) باب التصوف (ص ۲۷) باب مرقعہ داشتن (گدڑی پہننا۔ص ۳۸)۔ باب اختلافہم فی الفقر والصفوۃ (فقر اور یک سوئی کے بارے میں صوفیا کے اختلافات۔ص ۴۷) باب بیان الملامۃ (ص ۵۰) باب فی ذکر ائمتہم من الصحابۃ (چاروں خلفائے راشدین حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا ایک مفصل تذکرہ۔ص ۵۶)

باب فی ذکر ائمتہم من اہل البیت (حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت علیؒ بن حسینؓ، حضرت محمدؒ بن علیؒ بن حسینؒ، اور جعفرؒ بن محمدؒ بن علیؒ بن حسینؓ کا تفصیلی ذکر ص ۶۰)۔ باب ذکر اھل الصفۃ (اس باب میں ۲۱ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ سب کا تذکرہ طول کا باعث ہوگا۔ص ۷۲)۔ باب ذکر ائمتہم من التابعین (اس باب میں اویس قرنی، ہرم بن حیان العبدی، حسن البصری، سعید بن المسیب، رحمۃ اللہ علیہم کا ذکر ہے۔ص ۷۴) باب فی ذکر ائمتہم من أتباع التابعین الی یومنا ہذا (اس باب میں حبیب فارسی سے شروع کرکے اپنے پیر کے پیر شیخ ابوالحسن الحصری البصری تک ۶۴ بزرگوں کا ذکر خیر کیا ہے، ص ۷۹)۔ باب فی ذکر ائمتہم من المتأخرین (اس باب میں اپنے مرشد روحانی شیخ ابوالفضل ختلی، اپنے استاد ابوالعباس الاشقانی، شیخ قشیری اور سات دوسرے معاصر اکابر صوفیا کا ذکر کیا ہے جن میں اکثر سے خود مصنف نے کسب فیض کیا تھا ص ۱۴۶)۔ باب فی ذکر رجال الصوفیۃ من المتأخرین علی الاختصار (اس باب میں

شام، عراق، فارس، قہستان، آذربایجان، طبرستان، کش، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور غزنین کے بہت سے صوفیوں کا ذکر ایک ایک دو دو فقروں میں کیا ہے، ص ۱۵۳)

باب فی فرق فرقہم ومذاہبم وآیاتہم وحکایاتہم (اس باب میں قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ، سہلیہ، حکیمیہ، خرازیہ، خفقیہ، ساریہ، حلولیہ فرقوں کا ذکر، اور مندرجہ ذیل موضوعات پر علمی اور فلسفیانہ بحث کی ہے:

محاسبہ، حقیقت رضا، فرق مقام وحال، سکر وصحو، حقیقتِ ایثار، حقیقتِ نفس ومعنی ہویٰ، مجاہداتِ نفس، حقیقت ہویٰ، اثباتِ ولایت، اثباتِ کرامت، فرق کرامات ومعجزات، مدّعی الٰہیت کے ہاتھ پر خرق عادت کا اظہار، اولیاء کی کرامات کا ذکر، اولیاء پر انبیاء کی فضیلت، ملائکہ اور مومنین پر انبیاء واولیاء کی فضیلت، فنا وبقا، غیبت وحضور، جمع وتفرقہ، تفرقہ فی الحکم، روح۔ یہ باب ص ۱۵۶ سے ص ۲۳۵ تک مبسوط ہے۔

اس کے بعد کشف حجابات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے:

کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ تعالیٰ (ص ۲۳۵)

کشف الحجاب الثانی فی التوحید (ص ۲۴۴)

کشف الحجاب الثالث فی الایمان (ص ۲۵۱)

کشف الحجاب الرابع فی الطہارۃ (اس کشف میں طہارت پر بحث کے بعد توبہ اور اس کے متعلقات پر گفتگو کی گئی ہے۔ ص ۲۵۵)

کشف الحجاب الخامس فی الصلوٰۃ (اس کشف میں نماز کے بیان کے بعد، محبت اور اس کے متعلقات، نیز اللہ کی اولیاء سے محبت اور اولیاء کی اللہ سے محبت کی کیفیت کا بیان ہے۔ ص ۲۶۲)

کشف الحجاب السادس فی الزکوۃ (اس کشف میں زکوٰۃ کے ساتھ جود وسخاوت کا بھی بیان ہے۔ ص ۲۷۴)

کشف الحجاب السابع فی الصوم (اس میں روزے پر بحث کے بعد بھوک اور اس کے متعلقات کا بھی ذکر ہے۔ ص ۲۷۹)

کشف الحجاب الثامن فی الحج (اس کشف میں حج کے بعد مشاہدات کا بیان ہے ۔ص ۲۸۵)

کشف الحجاب التاسع فی الصحبۃ مع آدابہا واحکامہا (اس کشف میں صحبت، سفرو حضر، کھانے پینے، چلنے پھرنے، بولنے اور چپ رہنے، سوال کرنے اور نہ کرنے، شادی کرنے اور مجرّد رہنے کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ یہ باب ص ۲۹۱ سے ۳۲۰ تک ہے۔

کشف الحجاب العاشر فی منطقہم وحدود الفاظہم وحقائق معانیہم (اس کشف میں حال اور وقت، مقام اور تمکین، محاضرہ اور مکاشفہ، قبض اور بسط، انس اور ہیبت، قہر اور لطف، نفی اور اثبات، مسامرہ اور محادثہ، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، علم اور معرفت ،شریعت اور حقیقت کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔ اسی کشف کے آخر میں صوفیہ کی بہت سی اصطلاحات کے معانی ومطالب بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے الخواطر، الواقع، الاختیار، الامتحان، البلا، التحلی، التجلی، التخلی، الشرور، القصود، الاصطناع، الاصطفا، الاصطلام، الرین، الغین، التلبیس، الشرب، الذوق وغیرہ۔ یہ کشف ص ۳۲۰ سے ۳۳۸ تک پھیلا ہوا ہے)

کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع وبیان انواعہ (اس کشف میں سماعِ قرآن، سماعِ شعر، سماعِ اصوات والحان، احکام سماع، سماع کے بارے میں اختلافات، حقیقت سماع میں صوفیہ کے مراتب (وجد، وجود اور تواجد ومراقبہ) رقص، الخرق (جامہ دری) اور آدابِ سماع وغیرہ کا ذکر ہے۔ یہ کشف ص ۳۳۸ ص ۳۶۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

کشف المحجوب پر اجمالی تبصرہ

کتاب کے مضامین و مشتملات کا جو خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے وہ یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ شیخ ہجویری کی یہ کتاب دقیق، جامع اور وسیع معلومات پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساڑھے نو سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود یہ کتاب آج تک محفوظ اور اپنے موضوع سے ربط رکھنے والوں میں مقبول و متداول ہے۔ صوفی علماء اور علمائے صوفیہ

دونوں طرح کے لوگ اس کتاب کے مطالعے سے فیض یاب ہوتے ہیں ۔خواجہ فرید الدین، مولانا جامی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، جہانگیر اشرف سمنانی اور خواجہ نظام الدین دہلوی وغیرہ نے اپنے اپنے وقت میں اس کے مضامین سے استفادہ کیا ہے اور دل کھول کر اس کی تعریف کی ہے ۔نظام الدین اولیاء کی طرف منسوب ایک قول بہت مشہور ہے کہ:

''اگر کسی را پیری نباشد چون این کتاب را مطالعہ کند، اورا پیدا شود''[۲۱]
(جس کا کوئی پیر نہ ہو وہ اس کتاب (کشف المحجوب) کا مطالعہ کرے تو اس کو (پیر) مل جائے گا)

چند قابل توجہ نکات

اہل علم نے تصوف کی تین قسمیں بیان کی ہیں: اسلامی، فلسفیانہ، اور ملحدانہ۔ کشف المحجوب میں ملحدانہ تصوف کا بظاہر کوئی اثر نہیں ہے اور شیخ ہجویری نے جگہ جگہ جس طرح معتزلہ، سوفسطائیہ، روافض، قرامطہ اور ملاحدہ کے کچھ نظریات کا مدلّل طور پر ابطال کیا ہے، اس پر وہ ان شاء اللہ آخرت میں خصوصی اجر کے مستحق ہوں گے۔لیکن مومنانہ یا اسلامی تصوف کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ یہ کتاب فلسفیانہ تصوف کے اثرات سے پاک نہیں رہ سکی ہے۔غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے متقدمین و معاصرین کی صوفیانہ تحریروں کا جو ذخیرہ تھا اس میں بڑی حد تک فلسفے اور کسی حد تک الحادی نظریات کی آمیزش ہو چکی تھی۔اور یہ آمیزش ایسی تھی کہ تیسری صدی ہجری سے آج تک صوفیانہ لٹریچر اس سے پاک نہیں ہو سکا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شیخ ہجویری کی کشف المحجوب میں اسلامی تعلیمات کے خلاف باتیں ہرگز نہ پائی جاتیں۔سطور ذیل میں اس طرح کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ایک آیت کی یہ تشریح کی گئی ہے:

''قولہ تعالیٰ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا

لِیَـــعْبُـــدُونِ (الذاریات:۵۶) ای لیعرفون (نیافرید ہم پریان و آدمیان را،مگراز برای آنکہ تامرا بشناسنہ...''۲۲

آیتِ بالا میں 'عبادت' کا مطلب معرفت وشناخت بتایا گیا ہے جو غلط ہے۔ یہ عقیدہ صوفیوں نے اس لیے گھڑا ہے، تاکہ تمام احکام الٰہی کی اطاعت کی ذمہ داری سے چھٹکارا پاکر بس عشق ومستی میں پڑے رہیں۔

۲۔ کشف المحجوب میں بہت سی ضعیف اور موضوع احادیث بھی ملتی ہیں۔ مثلاً:

وپیغمبر ﷺ گفت: ان من عباد اللہ لعباداً یغبطھم الانبیاء والشھداء، قیل: من ھم یا رسول اللہ؟ صفھم لنا، لعلنا نحبّھم، قال: قوم تحابوا بروح اللہ من غیر اموال ولا اکتساب، وجوھھم نور علی منابر من نور، لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس، ثم تلا: ''أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ'' (ص۱۹۰) ☆

☆ یہ حدیث ابوداؤد میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

إنّ من عباد اللہ لأناساً ماھم بأنبیاء ولا شھداء، یغبطھم الأنبیاء والشھداء یوم القیامۃ بمکانھم من اللہ تعالیٰ قالوا: یا رسول اللہ! تخبرنا من ھم؟ قال: ھم قوم تحابّوا بروح اللہ، علی غیر أرحامٍ بینھم، ولا أموالٍ یتعاطونھا، فو اللہ إنّ وجوھھم لنور، وإنھم لعلیٰ نورٍ، لا یخافون إذا خاف الناس، ولا یحزنون إذا حزن الناس، وقرأ ھٰذہ الآیۃ: '' أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ'' (یونس:۶۲) (ابواب الاِجارۃ، باب فی الرھن، ۳۵۲۷)

''بے شک اللہ کے بندوں میں بعض وہ بھی ہیں جو انبیاء اور شہداء تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے روز اللہ کے یہاں ان کا جو مقام ہوگا اس کی وجہ سے انبیاء وشہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ: ہمیں بتائیے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے اللہ کی روح کی بنیاد پر محبت کرتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم، ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور (کے تخت) پر ہوں گے۔ ان کو اس وقت غم لاحق نہ ہوگا جب کہ دوسرے لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ''

حدیث میں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی روح کی بنیاد پر آپس میں محبت کریں گے۔ اس سے مراد اللہ کی کتاب 'قرآن مجید' ہے۔ قرآن نے خود کو روح بھی کہا ہے، اس لیے کہ اسی سے انسان کو حقیقی معنیٰ میں زندگی ملتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی بھی، چھوٹے سے چھوٹے درجے کے صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن یہاں ایک جھوٹی روایت ☆☆ کا بہانہ لے کر ولی کا درجہ صحابہ ہی نہیں، نبیوں سے بھی بڑھا دیا گیا ہے کہ نبی بھی ولی پر رشک کریں گے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ رشک کسی ایسی فضیلت پر ہی کیا جاسکتا ہے جو رشک کرنے والے کو حاصل نہ ہو۔ اس کا سیدھا سا مطلب یہ نکلتا ہے کہ لکھنے والا بھی اس باطل نظریہ کا قائل ہے کہ ”ولایت نبوت سے افضل ہے“ یہ بالکل روافض کے اس عقیدے کی طرح ہے کہ امامت نبوت سے افضل ہے۔ اعاذ نا اللہ منہا۔

”قولہ ﷺ بطن جائع احب الی اللّٰہ من سبعین عابداً عاقلاً“ ۲۳؎

(ستّر باعقل عبادت گزاروں کے مقابلے میں اللہ کو ایک بھوکا پیٹ زیادہ پسند ہے)

”وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اجیعوا بطونکم واضمأوا اکبادکم واعروا اجسادکم، لعل قلوبکم یرون اللہ عیانا فی الدنیا“ ۲۴؎

(اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو، اپنے جگروں کو پیاسا رکھو اور اپنے جسموں کو ننگا رکھو، اس طرح امید ہے کہ تم اپنے دل کی نگاہوں سے اللہ کو دنیا ہی میں دیکھ لوگے)

یہ روایتیں من گھڑت ہیں۔ ان سے بہ ظاہر خلاف شرع بھوکے ننگے پھرنے والوں کی فرضی ولایت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دوسری بات حدیث میں ان کے متعلق یہ کہی گئی ہے: ”یغبطهم الأنبیاء والشهداء“ (ان پر انبیاء وشہداء رشک کریں گے) غبطہ یا رشک اس خوبی پر ہوتا ہے جو کسی آدمی کے اندر موجود نہ ہو۔ انبیاء کا مقام سب سے بلند ہے اور شہداء بھی اللہ کے یہاں بہت اونچے مقام پر فائز ہوں گے۔ پھر ان کے رشک کے کیا معنٰی ہیں؟ اس کے معنٰی یہاں یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ان کے اس عمل کو نظرِ استحسان سے دیکھیں گے اور تعریف کریں گے۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بے غرض محبت اور مخلصانہ تعلقات کی وجہ سے قابلِ رشک ہوں گے، گو اس کی اہمیت نبوت وشہادت کے مقابلے میں کم ہی ہوگی۔ (جلال الدین)

☆☆ یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض دوسری روایات میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ رشک کے معنٰی پر اوپر گفتگو ہوچکی ہے۔ اس کے بعد یہ اعتراض باقی نہیں رہتا۔ (جلال الدین)

۳۔ کشف المحجوب کے بہت سے مقامات پر اولیاء اللہ کی بڑی فضیلتیں اور منقبتیں بیان کی گئی ہیں۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''خدای عز وجل را اولیاء است کہ ایشان را بہ دوستی و ولایت مخصوص گردانیدہ است، و والیان ملک وی اند کہ برگزیدہ شان ونشانہ اظہار فعل خود گردانیدہ و بہ انواع کرامات مخصوص داشتہ وآفات طبیعی از یشان پاک کردہ واز متابعت نفس و ہویٰ شان برھانید...'' ۲۵

(اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں جن کو اس نے اپنی ولایت کے لیے مخصوص کرلیا ہے۔ وہ اس کے ملک کے حاکم ہیں کہ اس نے ان کو منتخب کرلیا ہے اور اپنے افعال کے اظہار کی علامت بتا دیا ہے، ان کو طرح طرح کی کرامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، طبیعی آفات سے ان کو پاک کردیا ہے اور نفس اور خواہش کی پیروی سے ان کو آزاد کردیا ہے)

''و مرایشان را والیان عالم گردانیدہ تا مجرد مرحدیث وی را گشتہ اند و راہ متابعت نفس را اندر نوشتہ، تا از آسمان باران بہ برکت ایشان می بارد، واز زمین نبات بہ صفاء احوال ایشان روید، و بر کافران مسلمان نصرت بہ ہمت ایشان یابند'' ۲۶

(اور ان کو دنیا کا والی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی باتوں کے لیے مجرّد ہو گئے ہیں اور انھوں نے نفس کی پیروی کے راستے کو لپیٹ لیا ہے۔ یہاں تک کہ آسمان سے بارش انہی کی برکت سے ہوتی ہے۔ اور زمین سے سبزہ انہی کے حالات کی صفائی سے اگتا ہے۔ اور مسلمان کافروں پر انہی کے ارادے سے کامیابی حاصل کرتے ہیں)

''اولیاء خداوند تعالیٰ مدبران ملک اند و مشرفان عالم و خدای تعالیٰ حل و عقد آن بدیشان باز بستہ واحکام عالم را موصول ہمت ایشان گردانیدہ است...'' ۲۷

(اللہ تعالیٰ کے اولیاء ملک کو چلانے والے اور عالم کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کا بست وکشاد انہی سے متعلق کر دیا ہے اور عالم کے احکام کو انہی کے ارادہ سے ملا دیا ہے)

ان اقتباسات میں بتایا گیا ہے کہ: اولیا والیانِ ملک خدا ہیں، آسمان سے ان کی وجہ سے بارش برستی ہے، نباتات ان کی وجہ سے اگتی ہیں، مسلمان کافروں پر فتح ان کی وجہ سے پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ملک کے مدبر، عالم کے نگراں وہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے عالم کے بست وکشاد کو انہی سے وابستہ کر دیا ہے، گویا ساری دنیا کے منیجر، سپر نٹنڈنٹ، سپر وائزر بلکہ مختار کل وہی لوگ ہیں، حالانکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ یہ مرتبہ تو کسی بڑے سے بڑے پیغمبر کو بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں بخشا۔ اس مشرکانہ عقیدے کی زد براہ راست قرآن پر پڑتی ہے اور اس میں قرآن کی متعدد صریح آیتوں کا انکار پایا جاتا ہے۔

۴۔ ''سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ گفت: شکم پُر از خمر دوست تر دارم کہ پُر از طعام حلال، گفتند: چرا؟ گفت: از برای آنکہ چون شکم پر از خمر شود، عقل بیارامہ، وآتش شہوت بمیرد، وخلق از دست وزبان وی ایمن شود، واما چون پر از طعام حلال شود فضول آرزو کند وشہوت قوت گیرد، ونفس بطلب نصیبہای خود سر برآورد۔'' ۲۸

(سہل بن عبداللہ نے کہا: میرے نزدیک پیٹ کا شراب سے بھرا ہونا اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ کھانے سے بھرا ہو۔ کہا گیا: کیوں؟ انھوں نے جواب دیا، اس لیے کہ جب پیٹ شراب سے بھرا ہوتا ہے تو عقل سو جاتی ہے اور شہوت کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور مخلوق اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ لیکن جب حلال کھانے سے پیٹ بھرا ہوتا ہے تو وہ فضول آرزوئیں کرتا ہے، شہوت قوی ہو جاتی ہے اور نفس اپنے حصے کی طلب میں سرکشی کرتا ہے)

اس اقتباس میں شراب جیسی حرام چیز سے بھرے ہوئے پیٹ کو اللہ کی بخشی ہوئی

حلال روزی سے زیادہ پسندیدہ بتایا گیا ہے، جب کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام میں شراب پینا حرام اور قابل سزا جرم ہے، مگر ہمارے صوفیوں کو اکل حلال کے مقابلے میں شراب سے بھرا ہوا پیٹ زیادہ پسند ہے اور اس کے لیے بالکل خلاف عقل توجیہات وتاویلات وضع کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوتا۔

۵۔ بعض مقامات پر تجرّد کی زندگی کو افضل قرار دیا گیا ہے:

''ومجتمع اند مشائخ این طریقت رضی اللہ عنہم برآ نکہ بہترین و فاضل ترین مجردانند، اگروی شان از آفت خالی باشد وطبعشان از شہوت معرض'' ۲۹؎

(طریقت کے مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ بہترین اور فاضل ترین لوگ وہ ہیں جو مجرّد رہتے ہیں اگر ان کا دل آفت سے خالی ہو اور ان کی طبیعت شہوت سے اعراض کرتی ہو)

ودر جملہ قاعدۂ این طریقت بر تجرید نہادہ اند، چون تزویج آمد حال دیگر گون شد'' ۳۰؎

(خلاصہ یہ کہ طریقت کا اصول تجرید (یعنی غیر شادی شدہ ہونے) پر رکھا گیا ہے۔ جب شادی کی جاتی ہے تو حالت بدل جاتی ہے)

ان اقتباسات میں سارے مشائخ طریقت اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ سب سے زیادہ صاحب فضیلت غیر شادی شدہ اصحاب ہیں اور وہی دنیا میں سب سے بہتر ہیں۔ بشرطیکہ ان کے دل آفت سے خالی ہوں اور ان کی طبیعت شہوتوں سے اعراض کرتی ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام کے دل بھی آفت سے خالی نہیں تھے اور ان کی طبیعت بھی شہوت سے پاک نہیں تھی جو انہوں نے شادیاں کیں اور متاہّل زندگی گزاری؟

اقتباس بالا میں تجرد کی زندگی کو طریقت کا اصول وضابطہ بتایا گیا ہے۔ یہ بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں ''انکحوا'' جمع کے صیغے کے ساتھ آیا ہے۔ اس اعتبار سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے مخاطب سب ہی مسلمان ہیں۔

مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **النکاح من سنتی** ۳۱ یعنی نکاح میری سنت ہے۔ نیز فرمایا **فمن رغب عن سنتی فلیس منی** ۳۲ (جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری امت سے خارج ہے)۔

اسی طرح کا ایک جملہ یہ بھی ہے: ''ودر جملہ نخستین فتنہ ای کہ برسر آدم آمد اصل آن از زنی بود در بہشت'' ۳۳۔ یہ اقتباس صوفیوں کے یہودیت سے متاثر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہودی فلسفہ سے ماخوذ ہے۔ حضرت آدمؑ کے لیے حضرت حوا کا وجود فتنہ نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس مشیت کا ظہور تھا جو تخلیق عالم و آدم میں کارفرما تھی۔ یہاں یہ بھی عرض کر دیا جائے تو مفید ہوگا کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی شیطان کے بہکانے اور شجر ممنوعہ سے کچھ کھانے کا ذکر ہے، وہاں تثنیہ (دو) کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس کا ترجمہ یا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے آدمؑ اور حوا دونوں کو بیک وقت بہکایا اور دونوں نے بیک وقت درخت مذکور سے کچھ کھایا۔ یہودی اس قصے میں صرف حضرت حوؑا کو قصور وار قرار دیتے ہیں، جو قطعاً غلط اور قرآن کے واضح بیان کے خلاف ہے۔

> ۶۔ ''و نیز گویند کہ: چون ابراہیم علیہ السلام گفت مر اسماعیل علیہ السلام را: **یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک**، اسماعیل علیہ السلام گفت: **ہذا جزاء من نام عن حبیبہ، لولم تنم لما امرت بذبح الولد** (ای پدر این جزاء آنکس است کہ بخسبد از دوست و از دوست غافل باشد، اگر نخفتی نفرمودندی کہ پسر را باید کشتن، پس خواب مر ترا بی پسر گردانید و مرا بی سر، درد من یک ساعت باشد و درد تو ہمیشہ'' ۳۴
>
> (جب ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ: اے باپ، یہ اس شخص کی جزا ہے جو دوست سے سو جائے اور دوست سے غافل ہو جائے، اگر تم نہ سوتے تو یہ فرمان نہ ملتا کہ بیٹے کو ذبح کرنا ہے، پس نیند نے تم کو بے پسر کر دیا اور مجھ کو بے سر کر دیا۔ میری

تکلیف تو گھڑی بھر کی ہوگی مگر تمہارا رنج ہمیشہ رہے گا)

یہ ایک صوفی کا بیان ہے۔قرآن کریم میں سورۂ صافّات (آیات: ۱۰۰-۱۰۷) میں تفصیل سے واقعۂ ذبح بیان کیا گیا ہے۔اس میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اپنا خواب سنایا تو بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریے۔ان شاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔اب قارئین خود ہی غور فرمائیں کہ قرآن میں مذکور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے واقعے کو صوفیہ نے کس طرح پیش کیا ہے۔اسے قرآن مجید کی معنوی تحریف کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

۷۔ وحق تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام راہم چنین فرمود کہ چون بہ قطع منازل وگذشتن مقامات بہ محل تمکین رسیدی اسباب تلوین از تو ساقط شد، فاخلع نعلیک والق عصاک (نعلین از پای بیروں کن وعصا بیفگن) کہ آن آلت مسافت است واندر حضرتِ وصلت وحشت مسافت محال باشد‘‘ ۳۴

(اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے بھی اسی طرح فرمایا کہ جب تم منازل طے کر کے اور مقامات سے گزر کر محل تمکین میں پہنچ گئے تو تلوین کے اسباب تم سے ساقط ہو گئے (تو اپنے پیروں سے نعلین نکال دو اور عصا ہاتھ سے پھینک دو) کہ یہ مسافت کے آلے ہیں اور وصل کی بارگاہ میں مسافت کی وحشت محال ہوتی ہے)

اس اقتباس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ قرآن پاک کی سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے،لیکن وہاں تمکین تلوین وغیرہ کا کوئی چکر نہیں ہے، یہ کسی صوفی نے اپنی طرف سے اختراع کیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کی آیت کو اس طرح لکھا گیا ہے۔’فاخلع نعلیک والق عصاک ‘ یہ آیت اس طرح قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ بلکہ ’فاخلع نعلیک ‘سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۲ کا درمیانی ٹکڑا ہے، پھر آیت ۱۸ میں

’عصا‘ کا ذکر ہے اور اس کے بعد آیت ۱۹ میں ’القہا‘ آیا ہے۔ ان دونوں میں خلط ملط کر کے والق عصاک اس طرح لکھا گیا ہے گویا ایک ہی آیت ہے اور پھر اس سے اپنا خود ساختہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے جو قرآن کے بیانات سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتا۔

۸۔ ”و اندر آثار آمدہ است کہ: یک ماہ آن خلق اندر آن صحرا ہیچ نخوردندی، و اطفال نگر ستیندی وشیر نخواستندی، و ہرگاہ کہ خلق از آنجا باز گشتندی بسیار مردم از لذت کلام وصوت ولحن داؤد علیہ السلام مردہ بودندی، تا حدی کہ گویند: یک بار ہفت صد کنیزک عذراء بہ شار بر آمد کہ مردہ بودند و دوازدہ ہزار پیر نیز“ ۳۴

(آثار میں ہے کہ ایک مہینہ وہ لوگ جنگل میں کچھ نہیں کھاتے تھے اور بچے نہیں روتے تھے، دودھ نہیں مانگتے تھے اور جب لوگ وہاں سے واپس لوٹتے تو بہت سے لوگ داؤدؑ کے کلام کے لہجے اور لحن کی لذّت سے مر چکے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک بار سات سو کنواری لڑکیاں شمار کی گئیں جو مر چکی تھیں اور بارہ ہزار بوڑھی عورتیں مرگئی تھیں)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے خلیفہ کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے ان چار مخصوص پیغمبروں میں سے ہیں جن پر اللہ نے اپنی چار خاص کتابیں نازل فرمائیں۔ ان کا کام خلقِ خدا کو راہِ راست دکھانا اور احکامِ الٰہی بندوں تک پہنچانا تھا، گانا سنا کر کنواری لڑکیوں یا بوڑھی عورتوں کو مست کرنا یا جان سے مار ڈالنا ہرگز نہیں تھا۔ قرآن پاک کے مختلف مقامات کی ۱۷ آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے، مگر کہیں اس طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ ان کی خوش آوازی سے پرندے یا انسان مر جاتے تھے۔ قرآن پاک میں سورہ انبیاء، سورۂ سبا اور سورہ ص میں صرف اتنا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو اس بات کے لیے مسخر فرمایا تھا کہ وہ صبح وشام حضرت داؤدؑ کے ساتھ خدا کی تسبیح وتقدیس میں مشغول ہوں، لیکن یہ کہیں نہیں آیا کہ کوئی پرندہ یا انسان ان

کی آواز سن کر موت کے گھات اتر جاتا تھا۔

ان مثالوں سے بہ خوبی واضح ہوجاتا ہے کہ کشف المحجوب میں بہت سی باتیں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ ہمارے لیے قرآن وسنت لائق تقلید ہیں۔ جو باتیں ان سے ٹکراتی ہیں وہ قابلِ رد ہیں، خواہ ان کا انتساب بڑے سے بڑے بزرگ یا صوفی کی طرف ہی کیوں نہ ہو۔

حواشی ومراجع

۱۔ پیر سنجر سے یہاں اقبال نے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو مراد لیا ہے، لیکن سنجر (س ن ج ر) نہ تو کسی مقام کا نام ہے، نہ خواجہ معین الدین کے کسی مرید کا نام تھا۔ یہاں علامہ اقبال نے سخت دھوکہ کھایا ہے، ان کو سجزی (س ج ز ی) لکھنا چاہیے تھا، کیونکہ خواجہ کا تعلق سجستان سے تھا جہاں کے لوگ سجزی (س ج ز ی) کہلاتے ہیں۔

۲۔ یہاں بھی اقبال کو تسامح ہوا ہے۔ حضرت فاروقؓ کا جلال مشہور ہے نہ کہ جمال!

۳۔ کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۵، صفر ۵۱-۵۲

۴۔ مشہور ہے کہ شیخ ہجویریؒ کے لیے پہلے پہل 'گنج بخش' کا لقب خواجہ معین الدین چشتی نے استعمال فرمایا تھا جب انہوں نے شیخ کے مزار پر لاہور جا کر چلّہ کشی فرمائی تھی، پھر یہ لقب مشہورِ عام ہوگیا۔ مگر یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ خواجہ اجمیری کے مزار ہجویری پر چلّہ کشی کرنے سے پہلے بھی یہ لقب ان کے نام کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ زیادہ درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس زمانے میں شیخ عراق میں قیام پذیر تھے اور خوب کمانے اور لٹانے میں مشغول تھے، اسی زمانے میں شیخ کی سخاوت اور داد ودہش سے متاثر ہو کر کسی نے انھیں اس نام سے پکارا ہوگا، اور اسی طرح لاہور کے قیام میں شیخ کی فیاضی سے اثر پذیر ہو کر کسی ہندو نے 'داتا' کہنا شروع کر دیا ہوگا۔ بعد میں دونوں کا مرکب 'داتا گنج بخش' ہو کر ایسا رائج ہوا کہ آج تک لوگ اس کو ترک کرنے کا نام نہیں لے رہے ہیں، حالاں کہ اس طرح کے القاب سے شرک کی بو ہر صحیح العقیدہ مسلمان محسوس کرسکتا ہے۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ اللہ

کے رسول ﷺ نے مقابر پر جانے کی اجازت صرف اس لیے دی ہے کہ وہاں جا کر انسان کو موت یاد آتی ہے اور وہ اپنے اعمال کی درستی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ چلّہ کشی اور مزار کے پاس بیٹھ کر ضربیں لگانا شریعت اسلامی کی رُو سے مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ مغل خاندان کا مشہور ملحد شاہ زادہ دارا شکوہ جب افغانستان گیا تھا تو اس نے ان قبروں کی زیارت کی تھی (سفینۃ الاولیا)

۶۔ کشف المحجوب، شیخ علی بن عثمان الہجویری الجلابی الغزنوی، بالتصحیح علی قویم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، ص ۱۵۱

۷۔ کشف المحجوب، ص ۲۰۱

۸۔ یہ لفظ اس کتاب میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ہر جگہ 'الگرگانی' ہی لکھا ہے، لیکن فارسی لفظ 'گرگانی' پر الف لام لگانا درست نہیں۔ یا تو اس کو گرگانی لکھنا چاہیے تھا، یا پھر اس کا معرب 'الجرجانی' لکھنا چاہیے تھا۔

۹۔ کشف المحجوب، ص ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۴

۱۰۔ حوالہ بالا، ص ۱۵۰

۱۱۔ حوالہ بالا ص ۳۱۸

۱۲۔ حوالہ بالا ص ۱۵۵

۱۳۔ ملاحظہ کیجیے کشف المحجوب ص ۵۶، ۵۸، ۸۳، ۳۱۵

۱۴۔ حوالہ بالا ص ۲۶۶

۱۵۔ آئین اکبری، ابوالفضل علامی، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۸۶۹ء، جلد ۳، ص ۲۷۸

۱۶۔ مقالات محمد شفیع لاہوری، طبع لاہور، ۱۹۶۰ء

۱۷۔ کشف المحجوب، ص ۹

۱۸۔ آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ادبی دنیا، دہلی، سنہ ندارد، ص ۷۸

۱۹۔ کشف المحجوب، ص ۹

۲۰۔ کشف المحجوب، ص ۸ (دیباچہ محقق)

۲۱۔ تاریخ مشائخ چشت ، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ادارہ ادبیات دلّی ، دہلی، ۱۹۸۰ء، ج۱،ص ۱۲۸، بنقل از ’دررنظامی‘ (قلمی)
۲۲۔ کشف المحجوب ص ۲۳۵
۲۳۔ حوالہ بالا، ص ۲۸۳
۲۴۔ حوالہ بالا، ص ۲۸۳
۲۵۔ حوالہ بالا، ص ۱۹۰
۲۶۔ حوالہ بالا، ص ۱۹۱
۲۷۔ حوالہ بالا، ص ۲۰۲
۲۸۔ حوالہ بالا، ص ۳۰۴
۲۹۔ حوالہ بالا، ص ۳۱۷
۳۰۔ حوالہ بالا، ص ۳۱۸
۳۱۔ سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح
۳۲۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب النکاح
۳۳۔ حوالہ بالا، ص ۳۱۷
۳۴۔ حوالہ بالا، ص ۳۰۸
۳۵۔ حوالہ بالا، ص ۳۲۴
۳۶۔ حوالہ بالا، ص ۳۵۱

نوٹ: اس مقالہ کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ تاریخ تصوف، علامہ محمد اقبال، ترتیب پروفیسر صابر کلوروی، مکتبہ الحسنات، دہلی، ۱۹۹۴ء
۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ج ۳
۳۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۲
۴۔ تصوف اور اہل تصوف، سید احمد عروج قادری، مرتبہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۱۹۹۴ء
۵۔ نزہۃ الخواطر، عبدالحی الحسنی، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۶۲ء، ج ۱